معصوم دهم (حضرت امام علی رضاعلیہ السّلام)

<"xml encoding="UTF-8?>

نام ونسب

علی علیہ السّلام نام , رضا علیہ السّلام لقب او ر ابوالحسن کنیت , حضرت امام موسی ٰکاظم علیہ السّلام والد بزرگوار تھے اور اس لیے اپ کوپورے نام ولقب کے ساتھ یاد کیا جائے تو امام الحسن علی بن موسیٰ رضا علیہ السّلام کہاجائے گا , والدہ گرامی کی کنیت ام البنین اور لقب طاہرہ تھا . نہایت عبادت گزار بی بی تھیں .

ولادت

11ذی القعد 841ھ میں مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی .اس کے تقریباً ایک ماہ قبل 51شوال کو اپ کے جدِ بزرگوار امام جعفر صادق علیہ السّلام کی وفات ہوچکی تھی اتنے عظیم حادثہ مصیبت کے بعد جلد ہی اس مقدس مولود کے دنیا میںآجانے سے یقینًاگھرانے میں ایک سکون اور تسلی محسوس کی گئی.

تربیت

اپ کی نشونما اور تربیت اپنے والد بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے زیر سایہ ہوئی اور اس مقدس ماحول میں بچپنا اور جوانی کی متعدد منزلیں طے ہوئی اور پینتیس برس کی عمر پوری ہوئی. اگرچہ اخری چند سال اس مدت کے وہ تھے جب امام موسیٰ علیہ السّلام کاظم عراق میں قید وظلم کی سختیاں برداشت کررہے تھے مگر اس سے پہلے 82یا92برس اپ کو برابر پدرِ بزرگوار کے ساتھ رہنے کا موقع ملا.

جانشینی

امام موسیٰ کاظم کو معلوم تھا کہ حکومت وقت اپ کو ازادی سے سانس لینے نہ دے گی اور ایسے حالات پیش آجائیں گے کہ اپ کے اخری عمر کے حصے میںاور دنیا کو چھوڑنے کے موقع پر دوستانِ اہلبیت علیہ السّلام کا اپ سے ملنا یا بعد کے لیے رہنما کا دریافت کرنا غیر ممکن ہوجائے گا . اس لیے اپ نے انھی ازادی کے دنوں اور سکون کے اوقات میں جب کہ اپ مدینہ میں تھے پیروانِ اہلیبت علیہ السّلام کو اپنے بعد ہونے والے امام علیہ السّلام سے روشناس بنانے کی ضرورت محسوس فرمائی . چنانچہ اولاد علی علیہ السّلام وفاطمہ میں سے سترہ ادمی جو ممتاز حیثیت رکھتے تھے جمع فرما کر اپنے فرزند علی رضا علیہ السّلام کی وصایت وجانشینی کااعلان فرمایااور ایک وصیت نامہ تحریراً بھی مکمل فرمایا , جس پر مدینہ کے معزز ین میں سے ساٹھ ادمیوں کی گواہی لکھی گئی , یہ اہتمام دوسرے ائمہ کے یہاں نظر نہیں اتا.صرف ان خصوصی حالات کی بنائ پر جن سے دوسرے

ائمہ اپنی وفات کے موقع پر دوچار نہیںہونے والے تھے .

دور امامت

حضرت امام علی رضا علیہ السّلام کی پینتیس برس کی عمر جب اپ کے والد بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کی وفات ہوئی اور امامت کی ذمہ داری اپ کی طرف منتقل ہوئی .یہ وہ وقت تھا کہ جب بغداد میںہارون رشید تخت خلافت پر تھا اور بنی فاطمہ کے لیے حالات بہت ناساز گار تھے . اس ناخوشگوار ماحول میں حضرت علیہ السّلام نے خاموشی کے ساتھ شریعت ُ حقہ کے خدمات انجام دینا شروع کر دیا.

علمی کمال

الِ محمد علیہ السّلام کے اس سلسلہ میں ہر فرد حضرت احادیث کی طرف سے بلند ترین علم کے درجہ پر قرار دیا گیا تھا جسے دوست اور دشمن سب کو ماننا پڑتا تھا , یہ اور بات ہے کہ کسی کو علمی فیوض پھیلانے کا زمانے نے کم موقعہ دیا اور کسی کو زیادہ , چنانچہ ان حضرات میں سے امام جعفر صادق علیہ السّلام کے بعد اگر کسی کو موقع حاصل ہوا ہے تو وہ امام رضا علیہ السلام ہیں . جب اپ امامت کے منصب پر نہیں پہنچے تھے اس وقت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام اپنے تمام فرزندوں اور خاندان کے لوگوں کونصیحت فرماتے تھے کہ تمھارے بھائی علی رضا علیہ السّلام عالمِ الِ محمد ہیں . اپنے دینی مسائل کو ان سے دریافت کرلیا کرو اور جو کچھ وہ کہیں اسے یاد رکھو اور پھر حضرت موسیٰ کاظم علیہ السّلام کی وفات کے بعد جب اپ مدینہ میں تھے اور روضئہ رسول پر تشریف فرما تھے تو علمائے اسلام مشکل مسائل میں اپ کی طرف رجوع کرتے تھے . محمد ابن عیسیٰ القطینی کا بیان ہے کہ میں نے ان کے جوابات تحریر کیے تھے اکٹھے کیے تو اٹھارہ ہزار کی تعداد میں تھے.

زندگی کے مختلف دور

حضرت امام موسیٰ علیہ السّلام کاظم کے بعد دس برس ہارون کادور رہا . یقیناً وہ امام رضا علیہ السّلام کے وجود کو بھی دنیا میں اسی طرح پر برداشت نہیں کرسکتا تھا جس طرح اس کے پہلے اپ کے والد بزرگوار کو رہنا اس نے گورا نہیں کیا . مگر یا تو امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے ساتھ جو طویل مدت تک تشدد اور ظلم ہوتا رہا اور جس کے نتیجہ میں قید خانہ ہی کے اندر اپ دنیا سے رخصت ہوگئے اس سے حکومت ُ وقت کی عام بدنامی ہوگئی تھی اور یا واقعی ظالم کو اپنی بد سلوکیوں کا احساس ہو ااور ضمیر کی طرف سے ملامت کی کیفیت تھی جس کی وجہ سے کھلم کھلا امام رضا علیہ السّلام کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی گئی , یہاںتک کہ کہا جاتا ہے کہ ایک دن یحییٰ ابن خالد برمکی نے اپنے کے بعداثرورسوخ کے بڑھانے کے لیے یہ کہا کہ علی علیہ السّلام ابن موسیٰ بھی اب اپنے باپ کے بعد امامت کے اسی طرح دعویدار ہیںتو ہارون نے جواب دیا کہ جو کچھ ہم نے ان کے باپ کے ساتھ کیا وہی کیا کم ہے جواب تم چاہتے ہو کہ میں اس نسل ہی کا خاتمہ کروں .

پھر بھی ہارون رشید کااہل بیتؑ رسول سے شدید اختلاف اور سادات کے ساتھ جو برتاؤ اب تک تھا اس کی بنا پر عام طور پر سے عمالؑ حکومت یا عام افراد بھی جنھیں حکومت کو راضی رکھنے کی خواہش تھی اہل بیت علیہ السّلام کے ساتھ کوئی اچھا رویّہ رکھنے پر تیار نہیں ہوسکتے تھے , اور نہ امام علیہ السّلام کے پاس ازادی کے ساتھ لوگ استفادہ کے لیے اسکتے تھے نہ حضرت علیہ السّلام کو سچے اسلامی احکام کی اشاعت کے مواقع حاصل تھے .

ہارون کا اخری زمانہ اپنے دونوں بیٹوں امین اور مامون کی باہمی رقابتوں سے بہت بے لطفی میں گزرا . امین پہلی بیوی سے تھا جو خاندان شاہی سے منصور دوانقی کی پوتی تھی اور اس لیے عرب سردار سب اس کے طرفدار تھے اور مامون ایک عجمی کنیز کے پیٹ میں سے تھا . اس لیے درباد کاعجمی طبقہ اس سے محبت رکھتا تھا . دونوں کی اپس میں رسہ کشی ہارون کے لیے سوہانِ روح بنی رہتی تھی , اس نے اپنے خیال میں اس کا تصفیہ مملکت کی تقسیم کے ساتھ یوںکردیا کہ دارالسلطنت بغداد اور اس کے چاروں طرف کے عربی حصے جیسے شام ,مصرحجاز , یمن وغیرہ محمد امین کے نام کئے گئے اور مشرقی ممالک جیسے ایران , خراسان , ترکستان وغیرہ مامون کے لیے مقرر کیے گئے مگر یہ تصفیہ تو اس وقت کار گاہوسکتا تھا جب دونوں فریق»جیو اور جینے دو« کے اصول پر عمل کرتے ہوتے .

لیکن جہاں اقتدار کی ہوس کار فرماہووہاں اگر بنی عباس کے ہاتھوں بنی فاطمہ کے خلاف ہر طرح کے ظلم وتعدی کی گنجائش پیدا ہوسکتی ہے تو خود بنی عباس میں ایک گھر کے اندر دو بھائی اگر ایک دوسرے کے مدمقابل ہوں تو کیوں نہ ایک دوسرے کے خلاف جارحانہ کاروائیاں کرنے کے لیے تیارنظر اتے . اور کیوں نہ ان طاقتوں میںباہم تصادم ہو جب ان میں سے کوئی اس ہمدردی اور ایثار اورخلقِ خدا کی خیر خواہی کا بھی حامل نہیں ہے جسے بنی فاطمہ علیہ السّلام اپنے پیش نظر کر اپنے واقعی حقوق سے چشم پوشی کرلیا کرتے تھے . اسی کانتیجہ تھا کہ ادھر ہارون کی انکھ بند ہوئی اور ادھر بھائیوں میںخانہ جنگی کے شعلے بھڑک اٹھے . اخر چار برس کی مسلسل کشمکش اور طویل خونریزی کے بعد مامون کو کامیابی ہوئی اور اس کا بھائی امین محرم891ھ میں تلوار کے گھاٹ اتارا دیا گیا اور مامون کی خلافت تمام بنی عباس کے حدودسلطنت پر قائم ہوگئی .

ولی عہدی

امین کے قتل ہونے کے بعد سلطنت تو مامون کے نام سے قائم ہوگئی مگر یہ پہلے کہا جاچکا ہے کہ امین ننھیال کی طرف سے عربی النسل تھا اور مامون عجمی النسل .امین کے قتل ہونے سے عراق کی عرب قوم اور ارکان سلطنت کے دل مامون کی طرف سے صاف نہیں ہوسکتے تھے بلکہ غم وغصہ کی کیفیت محسوس کرتے تھے . دوسری طرف خود بنی عباس میں سے ایک بڑی جماعت جو امین کی طرف دار تھی اس سے بھی مامون کو ہر وقت خطرہ لگا ہوا تھا . اولادفاطمہ میں سے بہت سے لوگ جو وقتاً فوقتاً بنی عباس کے مقابل میںکھڑے ہوتے رہتے تھے وہ خواہ قتل کردیئے گئے ہوں یا جلاوطن کئے گئے ہوں یاقید رکھے گئے ہوں ان کے بھی موافق ایک جماعت تھی جو اگر حکومت کا کچھ بگاڑ نہ بھی سکتی تب بھی دل ہی دل میں حکومت بنی عباس سے بیزار ضرور تھی .

ایران میں ابو مسلم خراسانی نے بنی امیہ کے خلاف جو اشتعال پید اکیا تھا وہ ان مظالم ہی کو یاد دلا کر جو بنی امیہ کے ہاتھوں حضرت امام حسین علیہ السّلام اور دوسرے بنی فاطمہ کے ساتھ ہوئے تھے . اس سے ایران میں

اس خاندان کے ساتھ ہمدردی کا پیدا ہونا فطری تھا , درمیان میں بنی عباس نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا مگر اتنی مدت میں کچھ نہ کچھ تو ایرانیوں کی انکھیں بھی کھلی ہی ہوں گی کہ ہم سے کیاکہاگیا تھا اور اقتدار کن لوگوں نے حاصل کرلیا . ممکن ہے کہ ایرانی قوم کے ان رجحانات کاچرچا مامون کے کانوں تک بھی پہنچا ہو . اب جس وقت کہ امین کے قتل کے بعد وہ عرب قوم پر اور بنی عباس کے خاندان پر بھروسہ نہیںکرسکتا تھا اور اسے ہر وقت اس حلقہ سے بغاوت کااندیشہ تھا تو اسے سیاسی مصلحت اسی میں معلوم ہوئی کہ عرب کے خلاف عجم اور بنی عباس کے خلاف بنی فاطمہ کو اپنا بنایا جائے اور چونکہ طرزِعمل میں خلوص سمجھا نہیں جاسکتا اور وہ عالمِ طبائع پر اثر نہیں ڈال سکتا . اگر یہ نمایاں ہوجائے کہ وہ سیاسی مصلحتوں کی بنا پر ہے ا س لیے ضرورت ہوئی کہ مامون مذہبی حیثیت سے سے اپنی شیعیت اور ولائے اہل بیعت علیہ السّلام کے چرچے عوام کے حلقوں میں پھیلائے اور یہ دکھلائے کہ وہ انتہائی نیک نیتی سے اب »حق بحق دار رسید « کے مقولے کو سچا بنانا چاہتا ہے .

اس سلسلے میں جیسا کہ جناب شیخ صدوق اعلیٰ اللہ مقامہ , نے تحریرفرمایا ہے اس نے اپنی نذر کی حکایت بھی نشر کی کہ جب امین کااور میرا مقابلہ تھا اور بہت نازک حالت تھی اور عین اسی وقت میرے خلاف سیستان اور کرمان میں بھی بغاوت ہوگئی تھی اور خراسان میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی اور میری مالی حالت بھی ابتر تھی اور فوج کی طرف سے بھی اطمینان نہ تھا تو اس سخت اور دشوار ماحول میں میں نے خدا سے التجا کی اور منّت مانی کہ اگر یہ سب جھگڑے ختم ہوجائیں اور میں خلافت تک پہنچوں تو اس کو اس کے اصلی حقدار یعنی اولادِ فاطمہ میں سے جو اس کااہل ہو اس تک پہنچادوں . اسی نذر کے بعد سے میرے سب کام بننے لگے اور اخر تمام دشمنوں پر مجھے فتح حاصل ہوئی .

یقینایہ واقعہ مامون کی طرف سے اس لیے بیان کیا گیا کہ اس طرزِ عمل خلوص قلب اورحسن نیّت پر مبنی سمجھا جائے . یوں تو اہلبیت علیہ السّلام کے جو کھلے ہوئے سخت سے سخت دشمن تھے وہ بھی ان کی حقیقت اور فضیلت سے واقف تھے ہی اور ان کی عظمت کو جانتے تھے مگر شیعیت کے معنیٰ صرف یہ جاننا تو نہیں ہیں بلکہ محبت رکھنا اوراطاعت کرنا ہیں اور مامون کے طرزِ عمل سے یہ ظاہر ہے کہ وہ اس دعوائے شیعیت اور محبت اہلبیت علیہ السّلامکاڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود خود امام علیہ السّلام کی اطاعت نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ عوام کو اپنی منشائ کے مطابق چلانے کی کوشش کی تھی .ولی عہدبننے کے بارے میں اپ کے اختیارات کو بالکل سلب کردیا گیا اور اپ کو مجبور بنا دیا گیا تھا . اس سے ظاہرہے کہ ولی عہدی کی تفویض بھی ایک حاکمانہ تشدد تھا جو اس وقت شیعیت کے بھیس میں امام علیہ السّلام کے ساتھ کیا جارہا تھا .

امام علیہ السّلام کا اس ولی عہدی کوقبول کرنا بالکل ایسا ہی تا جیسا ہارون کے حکم سے امام موسیٰ کاظم کا جیل خانہ چلے جانا,اسی لیے جب امام رضا علیہ السّلاممدینہ منورہ سے خراسان کی طرف روانہ ہورہے تھے تو اپ کے رنج وصدمہ اور اضطراب کی کوئی حد نہ تھی روضئہ رسول سے رخصت کے وقت اپ کا وہی عالم تھا جوحضرت امام حسین علیہ السّلام کا مدینہ سے روانگی کے موقع پر تھا .دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اپ بیتابانہ روضئہ کے اندر جاتے تھے اور نالہ واہ کے ساتھ امت کی شکایت کرتے ہیں . پھر باہر اتے نکل کر گھر جانے کا ارادہ کرتے ہیں او پھر دل نہیں مانتا , پھر روضہ سے جاکر لپٹ جاتے ہیں . یہی صورت کئی مرتبہ ہوئی . راوی کابیان ہے کہ میں حضرت علیہ السّلام کے قریب گیا تو فرمایا اے محول میں اپنے جدِامجد کے روضہ سے بہ جبر جُدا کیا جارہا ہوں . اب مجھ کو یہاں واپس انا نصیب نہ ہوگا .

002ھ میں حضرت علیہ السّلام مدینہ منورہ سے خراسان کی طرف روان ہوئے , اہل وعیال اور متعلقین سب

مدینہ ہی چھوڑ گئے . اس وقت امام محمد تقی علیہ السّلام کی عمر پانچ برس کی تھی . اپ بھی مدینہ میںہی رہے . جب حضرت علیہ السّلام مرو پہنچے جو اس وقت دارالسلطنت تھاتو مامون نے چند روز ضیافت وتکریم کے مراسم ادا کرنے کے بعد قبول خلافت کاسوال پیش کیا .حضرت علیہ السّلام نے اس سے اسی طرح انکار کیا جس طرح امیر المومنین علیہ السّلام چوتھے موقع پر خلافت پیش کیے جانے کے وقت انکار فرمارہے تھے , مامون کو خلافت سے دست بردار ہونا درحیقیقت منظور نہ تھا رونہ وہ امام علیہ السّلام کو اسی مجبور کرتا . چنانچہ جب حضرت علیہ السّلام نے خلافت قبول کرنے سے انکار فرمایا تو اس نے ولی عہدی کا سوال پیش کیا. حضرت علیہ السّلام اس کے بھی انجام سے واقف تھے . نیز بخوشی جابر حکومت کی طرف سے کوئی منصب قبول کرنا اپ کے مذہبی اصول کے خلاف تھا. حضرت علیہ السّلام نے اس سے بھی انکار فرمایا مگر اس پر مامون کااصرار جبر کی حد تک پہنچ گیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ اگر اپ اس کو منظور نہیں کرسکتے تو اپ کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا . جان کا خطرہ قبول کیا جاسکتا ہے . جب مذہبی مفاد کا قیام جان دینے پر موقوف ہو ورنہ حفاظتُ جان شریعت اسلام کا بنیادی حکم ہے .امام علیہ السّلام نے فرمایا یہ ہے تو مجبوراً قبول کرتا ہوں مگر کاروبار سلطنت میں میں خود دخل نہ دوں گا . اس کے بعد یہ ولی عہدی صرف برائے نام سلطنت وقت کے ایک ڈھکوسلے سے زیادہ کوئی وقعت نہ رکھتی تھی . جس سے ممکن ہے کچھ عرصہ تک کسی سیاسی مقصد میںکامیابی حاصل ہوگئی ہو . مگر امام علیہ السّلام کی حیثیت اپنے فرائض کے انجام دینے میںبالکل وہ تھی جو ان کے پیش روحضرت علی مرتضی علیہ السّلام اپنے زمانہ کی بااقتدار طاقتوں کے ساتھ اختیار کرچکے تھے جس طرح ان کا کبھی کبھی مشورہ دے دینا ان حکومتوں کو صحیح اور ناجائز نہیں بنا سکتا تھا ویسے ہی امام رضا علیہ السّلام کا اس نوعیت سے ولی عہدی کاقبول فرمانا اس سلطنت کے جواز کا باعث نہیںہوسکتا تھا ,.صرف مامون کیا ایک راج ہٹ تھی جو اس طرح پوری ہوگئی مگر امام علیہ السّلام نے اپنے دامن کو سلطنت ظلم کے اقدامات اور نظم ونسق سے بالکل الگ رکھا .

بنی عباس مامون کے اس فیصلے سے قطعاً متفق نہ تھے انھوںنے بہت کچھ دراندازیاں کیں مگر مامون نے صاف کہہ دیا کہ علی رضا علیہ السّلام سے بہتر کوئی دوسرا شخص تم بتادو اس کا کوئی جواب نہ تھا . اس سلسلے میں بڑے بڑے مناظرے بھی ہوے مگر ظاہر ہے کہ امام علیہ السّلام کے مقابلہ میں کس کی علمی فوقیت ثابت ہوسکتی تھی , مامون کافیصلہ اٹل تھا اور وہ اس سے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھا کہ وہ اپنے فیصلہ کو بدل دیتا .

یکم رمضان 102ھئ روزپنجشنبہ جلسئہ ولی عہدی منعقد ہوا .بڑی شان وشوکت اور تزک واحتشام کے ساتھ یہ تقریب عمل میںلائی گئی . سب سے پہلے مامون نے اپنے بیٹے عباس کو اشارہ کیا اور اس نے بعیت کی . پھر اور لوگ بعیت سے شرفیاب ہوئے سونے چاندی کے سکے سرمبارک پر نثار کیے گئے اور تمام ارکانِ سلطنت وملازمین کو انعامات تقسیم ہوئے , مامون نے حکم دیا کہ حضرت علیہ السّلام کے نام کا سکّہ تیار کیا جائے , چنانچہ درہم ودینار پر حضرت علیہ السّلام کے نام کا نقش ہوا اور تمام قلمرومیں وہ سکّہ چلایا گیا , جمعہ کے خطبہ میں حضرت علیہ السّلام کانام داخل کیا گیا .

اخلاق واوصاف

مجبوری اور بے بسی کانام قناعت یادرویشی , عصمت بی بی از بے چادری ,, کے مقولہ کے موافق اکثر ابنائے دنیا کا شعار رہتا ہے مگر ثروت واقتدار کے ساتھ فقیرانہ زندگی اختیار کرنابلند مرتبہ مردانِ خدا کاحصہ ہے.اہل بیت

معصومین علیہ السّلام میں سے جو بزرگوار ظاہری حیثیت سے اقتدار کے درجہ پر نہ تھے کیوں کہ ان کی فقیری کو دشمن بے بسی پر محمول کرکے طعن وتشنیع پر امادہ ہوتے اور حقّانیت کے وقار کو ٹھیس لگتی مگر جو بزرگ اتفاقاتُ روزگار سے ظاہری اقتدار کے درجہ پر پہنچ گئے . انہوں نے اتنا ہی فقرا اور سادگی کے مظاہرہ میںاضافہ کردیا تاکہ ان کی زندگی غریب مسلمانوں کی تسلی کاذریعہ بنے اور ان کے لیے نمونہ عمل ہو جیسے امیر المومنین حضرت علی المرتضی علیہ السّلام چونکہ شہنشاہُ اسلام مانے جارہے تھے ا س لیے اپ کالباس اور طعام ویسا زاہدانہ تھا جس کی مثال دوسرے معصومین علیہ السّلام کے یہاں نہیں ملتی .یہی صورت حضرت علی رضا علیہ السّلام کی تھی , اپ مسلمانوں کی اس عظیم الشان سلطنت کے ولی عہد بنائے گئے تھے جن کی وسعتُ مملکت کے سامنے روم وفارس کاذکر بھی طاقِ نسیان کی نذر ہوگیا تھا . جہاں اگر بادل سامنے سے گزرتا تھا تو خلیفہ کی زبان سے اواز بلند ہوتی تھی کہ »جا جہاں تجھے برسنا ہو برس , بہتر حال تیری پیداواری کااخراج میرے پاس ہی ائے گا .„

حضرت امام رضا علیہ السّلام کا اس سلطنت کی ولی عہدی پر فائز ہونا دنیا کے سامنے ایک نمونہ تھا کہ دین والے اگر دنیا کو پاجائیں تو ان کارویہ کیا ہوگا , یہاں امام رضا علیہ السّلام کو اپنی دینی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے ضرورت تھی کہ زہد اور ترکُ دنیا کے مظاہرے اتنے ہی نمایاں ترہنادیں جتنے تزک و احتشام کے دینی تقاضے زیادہ ہیں چنانچہ تاریخ نے اپنے کو دہرایا اور وہ علی رضا علیہ السّلام کے لباس میںعلی المرتضی علیہ السّلام کی سیرت دنیا کی نگاہوں کے سامنے اگئی .اپ نے اپنی دولت سرا میں قیمتی قالین بچھوانا پسند نہیں کیے بلکہ جاڑے میں بالوں کا کمبل اور گرمی میں چٹائی کا فرش ہوا کرتا تھا , کھانا سامنے لایا جاتا تو دربان سائیس اور تمام غلاموں کو بلا کر اپنے ساتھ کھانے میں شریک فرماتے تھے . داب وادابُ شاہی کے خوگر ایک بلخی شخص نے ایک دن کہہ دیا کہ حضور اگر ان لوگوں کے کھانے کا انتظام الگ ہوجایا کرے تو کیا حرج ہے؟ حضرت علیہ السّلام نے فرمایا خالق سب کااللہ ہے . ماں سب کی حوّا اور باپ سب کے ادم علیہ السّلام ہیں . جزاوسزا ہر ایک کی اس کے عمل کے مطابق ہوگی , پھر دُنیا میں تفرقہ کس لیے ہو.

اسی عباسی سلطنت کے ماحول کا ایک جزوبن کرجہاں صرف پیغمبر کی طرف ایک قرابتداری کی نسبت کے سبب اپنے کو خلقُ خدا پر حکمرانی کاحقدار بنایا جاتا تھا اور اس کے ساتھ کبھی اپنے اعمال وافعال پر نظر نہ کی جاتی تھی کہ ہم کیسے ہیں اور ہم کو کیا کرنا چاہیے . یہاں تک کہ یہ کہاجانے لگاکہ بنی عباس ظلم وستم اور فسق وفجور میں بنی امیہ سے کم نہ رہے بلکہ بعض باتوں میدان سے آگے بڑھ گئے اور اس کے ساتھ پھر بھی قرابتِ رسول پر افتخار تھا اس ماحول کے اندر داخل ہو کرامام رضا علیہ السّلام کا اس بات پر بڑا زور دینا کہ قرابت کوئی چیز نہیں اصل انسان کا عمل ہے بظاہر صرف ایک شخص کا اظہار فروتنی اور انکسار نفس تھا جو بہرحال ایک اچھی صفت ہے لیکن حقیقت میں وہ اس سے بڑھ کر تقریباً ایک صدی کی عباسی سلطنت کی پیدا کی ہوئی ذہنیت کے خلاف اسلامی نظریہ کااعلان تھااور اس حیثیت سے بڑا اہم ہوگیا تھا کہ وہ اب اسی سلطنت کے ایک رکن کی طرف سے ہورہا تھا . چنانچہ امام رضا علیہ السّلامکی سیرت میں اس کے مختلف شواہد ہیں , ایک شخص نے حضرت علیہ السّلام کی خدمت میںعرض کی کہ »خدا کی قسم اباؤاجداد کے اعتبار سے کوئی شخص آپ سے افضل نہیں .« حضرت علیہ السّلام نے فرمایا .„ میرے اباواجداد کو جو شرف حاصل ہوا ہے وہ صرف تقویٰ , پرہیز گاری اوراطاعتِ خداسے.„ ایک شخص نے کسی دن کہا کہ .„ واللہ اپ بہترین خلق ہیں .„ حضرت علیہ السّلام نے فرمایا .« اے شخص حلف نہ اٹھا, جس کاتقویٰ وپرہیز گاری مجھ سے زیادہ ہو وہ مجھ سے افضل ہے .„

ابراہیم بن عباس کابیان ہے کہ حضرت علیہ السّلام فرماتے تھے»میرے تمام لونڈی اور غلام ازاد ہوجائیں اگر اس کے سوا کچھ اور ہو کہ میں اپنے کو محض رسول اللہ کی قرابت کی وجہ سے اس سیاہ رنگ غلام سے بھی افصل نہیںجانتا (حضرت علیہ السّلام نے اشارہ کیا اپنے ایک غلام کی جانب) ہاں جب عملِ خیر بجا لاؤں گا تو اللہ کے نزدیک اس سے افضل ہوں گا .,,

یہ باتیں کو تاہ نظر لوگ صرف ذاتی انکسار پر محمول کرلیتے ہوں مگر خود حکومت عباسیہ کا فرماں روایقیناً اتنا کند ذہن نہ ہوگا کہ وہ ان تازیانوں کو محسوس نہ کرے جو امام رضا علیہ السّلام کے خاموش افعال اور ا س طرح کے اقوال سے اس کے خاندانی نظامِ سلطنت پر برابر لگ رہے تھے . اس نے تو بخیال خود ایک وقتی سیاسی مصلحت سے اپنی سلطنت کو مستحکم بنانے کے لیے حضرت علیہ السّلام کو ولی عہد بنایا تھا مگر بہت جلد اسے محسوس ہوا کہ اگران کی زندگی زیادہ عرصہ تک قائم رہی تو عوام کی ذہنیت میں یک لخت انقلاب ہوجائے گا اور عباسی سلطنت کاتخت ہمیشہ کے لیے الٹ جائے گا.

عزائے حسین علیہ السّلام کی اشاعت

اب امام رضا علیہ السّلام کو تبلیغ ُ حق کے لیے نام ُ حسین علیہ السّلام کی اشاعت کے کام کو ترقی دینے کا بھی پورا موقع حاصل ہوگیا تھا جس کی بنیاد اس کے پہلے حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام اور امام جعفر صادق علیہ السّلام قائم کرچکے تھے مگر وہ زمانہ ایسا تھا کہ امام علیہ السّلام کی خدمت میں وہی لوگ حاضر ہوتے تھے جو بحیثیت امام اور بحیثیت عالم دین اپ کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے اور اب امام رضا علیہ السّلام تو امام روحانی بھی ہیں اور ولی عہد ُ سلطنت بھی . اس لیے اپ کے دربار میںحاضر ہونے والوں کا دائرہ وسیع ہے .مرو کامقام ہے جو ایران کے تقریباً وسط میں واقع ہے.ہر طرف کے لوگ یہاںاتے ہیں اور یہاں یہ عالم ہے کہ ادھر محرم کا چاند نکلا اور انکھوں سے انسو جاری ہوگئے . دوسروں کو بھی ترغیب وتحریص کی جانے لگی کہ الِ محمد کے مصائب کو یاد کرو اور تاثرات ُ غم کو ظاہر کرو.یہ بھی ارشاد ہونے لگا کہ جو اس مجلس میں بیٹھے جہاں ہماری باتیں زندہ کی جاتی ہیں اس کا دل مردہ نہ ہوگا . اس دن کہ جب سب کے دل مردہ ہوںگے .

تذکرہ امام حسین علیہ السّلام کے لیے جو مجمع ہو اس کانام اصطلاحی طو ر پر مجلس اسی امام رضا علیہ السّلام کی حدیث ہی سے ماخوذ ہے . اپ نے علمی طور پر خود مجلسیں کرنا شروع کر دیں , جن میں کبھی خود ذاکر ہوئے اور دوسرے سامعین جیسے یان بن شیب کی حاضری کے موقع پر جو اپ نے مصائب امام حسین علیہ السّلام بیان فرمائے اور کبھی عبداللہ بن ثابت یادعبل خزاعی ایسے کسی شاعر کی حاضری کے موقع پر اس شاعر کو حکم ہوا کہ تم ذکر ُ امام حسین علیہ السّلام میں اشعار پڑھو وہ ذاکر ہوا اور حضرت سامعین میں داخل ہوئے .

دعبل کو حضرت نے بعدمجلس ایک قیمتی حلّہ بھی مرحمت فرمایا جس کے لینے میں دعبل نے یہ کہہ کرعذر کیاکہ مجھے قیمتی حلّہ کی ضرورت نہیں ہے اپنے جسم کااترا ہوا لباس مرحمت فرمائے تو حضرت نے ان کی خوشی پوری کی وہ حلّہ تو انھیں دیا ہی تھا اس کے علاوہ ایک جبّہ اپنے پہننے کا بھی مرحمت فرمایا .

اس سے ذاکر کابلند طریقہ کار کہ اسے کسی دنیوی انعام کی حاضر یامعاذ اللہ اجرت طے کرکے ذاکری نہیں کرنا چاہیے اور بانی مجلس کاطریقہ کار کہ وہ بغیر طے کیے ہوئے کچھ بطور پیشکش ذاکر کی خدمت میں پیش کرے دونوں امرثابت ہیں مگر ان مجالس میں سامعین کے اندر کسی حصہ کی تقسیم ہر گز کسی معتبر کتاب

سے ثابت نہیں ہوئی .

وفات

مامون کی توقعات غلط ثابت ہونے ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ اخر امام علیہ السّلام کی جان لینے کے درپے ہوگیا اور وہی خاموش حربہ جوان معصومین علیہ السّلام کے ساتھ اس کے پہلے بہت دفعہ استعمال کیا جاچکا تھا کام میں لایا گیا . انگور میں جو بطور تحفہ امام علیہ السّلام کے سامنے پیش کیے گئے تھے زہر دیا گیا اوراس کے اثر سے 71صفر 302ئ میں حضرت علیہ السّلام نے شہادت پائی . مامون نے بظاہر بہت رنج وماتم کااظہار کیا اور بڑے شان وشکوہ کے ساتھ اپنے باپ ہارون رشید کے قریب دفن کیا . جہاں مشہد مقدس میں حضرت علیہ السّلام کاروضہ اج تاجدارانِ عالم کی جبیں سائی کا مرکز بناہوا ہے وہیں اپنے وقت کابزرگ ترین دنیوی شہنشاہ ہارون رشید بھی دفن ہے جس کانام ونشان تک وہاں جانے والوں کو معلوم نہیں ہوتا